احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ہجرت کے مسائل (تاریخی وسیاسی تناظر میں)

Problems of migration in Ahmed Nadeem Qasmi's fictions (in historical and political perspective)

Dr. Muhammad Iqbal
Punjab Education Department, (School Wing)
cybercomputersly@gmail.com

KEYWORDS

Persecution
Exploitation
Landlords
Peasants
Partition
Refugees
Class Oppression
Marxist
Ideolgy

ABSTRACT

" Various forms of persecution and exploitation are seen in Ahmed Nadeem Qasmi's fiction. Which strongly reflects the persecution, narrow-mindedness and oppressive bitter attitudes of the exploitative classes of landlords and landlords on the poor peasants and farmers. Hindu-Muslim riots and painful incidents of migration are such topics. Among them, Ahmad Nadeem Qasmi has the status of perfection that he has shown not only the ideological contradictions of these two nations. Rather, the conspiracies hidden behind them have also been exposed. Before and after the partition, riots and painful incidents of migration made people cry. Arson, bloodshed and murder. Such incidents are a testament to human indifference. The problems of the refugees and the corruptions of the landlords, the government officials show Ahmed Nadeem Qasmi's keen observation and historical study. According to which this system based on economic injustice and class oppression is the root of all evils. Ahmad Nadeem Qasmi's aim is to uproot this system. As an active member of the Association of Progressive Writers, he has adopted Marxist thought and ideology in every aspect of politics, religion, culture and society and has also interpreted it in his stories.

https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/135

DATES

Received	**27-05-2025**
Accepted	**08-06-2025**
Published	**30-06-2025**

QR CODE

تلخیص:

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ظلم و ستم اور استحصال کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔ جو غریب دہقانوں اور مزارعین پر استحصالی طبقے جاگیرداروں اور زمین داروں کے تعقب، تنگ نظری اور جابرانہ تلخ رویوں کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ ہندو مسلم فسادات اور ہجرت کے دردناک واقعات ایسے موضوعات ہیں ۔ جن پر ہر افسانہ نگار نے زورِ قلم آزمایا ہے۔ ان میں احمد ندیم قاسمی کو یہ درجہ کمال حاصل ہے کہ انہوں نے ان دو قوموں کے نہ صرف نظریاتی اختلافات کو ظاہر کیا ہے۔ بلکہ ان کے پیچھے چھپی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد فسادات اور ہجرت کے دردناک واقعات نے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ آتش زنی، خون ریزی اور قتل وغارت. جیسے واقعات انسانی بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مہاجرین کے مسائل ، اور جاگیرداروں ، سرکاری افسروں کی بدعنوانیاں احمد ندیم قاسمی کے گہرے مشاہدے اور تاریخی مطالعے کو ظاہر کرتی ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے موضوعات ترقی پسند تحریک کی فکر سے پھوٹتے ہیں۔ جس کے مطابق معاشی ناانصافی اور طبقاتی جبر پر مبنی یہ نظام تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے سرگرم رکن کی حیثیت سے ہر حوالے سے مارکسی سوچ اور نظریہ کو اپنایا اور اپنی کہانیوں میں اس کی ترجمانی بھی کی ہے۔

1947ء تا 1958ء کے عرصہ میں فسادات، ہجرت اور نقل مکانی کے حوالوں سے زیادہ افسانے لکھے گئے۔ کیونکہ تقسیم اور اس کے بعد ہونے والی خون ریزی، لوٹ مار، بربریت اور انتشار نے معاشرے کو مجموعی طور پر ہلا کے رکھ دیا اور ادیب ذہنی بحران سے دوچار ہوئے۔ جس کے نتیجے میں بے رحمی اور اخلاقی قدروں کا زوال کھلم کھلا ہوا۔ 1947ء کے فسادات اور ہجرت کے مسائل کو احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔ تقسیم کے اعلان کے ساتھ ہی مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ نوزائیدہ مملکت کو درپیش آیا۔ ہجرت کر کے آنے والوں کو آزاد وطن میں وہ آزادی اور سہولتیں میسر نہ ہوئیں جو ہندوستان میں میسر تھیں۔ مقامی جاگیردار مہاجرین کو زمین کا ٹکڑا دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان میں مہاجرین بیوہ عورتیں بھی تھیں جو اس نام نہاد آزادی سے اپنا حصہ مانگتی رہیں۔ ہجرت کا یہ المیہ ایسا دردناک تھا جس نے جسم سے زیادہ روح کو زخمی کیا۔ یہ زخم اس قدر گہرے تھے کہ آج تک مندمل نہیں ہوئے۔ اس استحصالی دردناک صورت حال کو احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں بڑی ہنرمندی سے پیش کیا ہے۔ جو ان کے افسانوں میں واضح نظر آتی ہے۔

1955ء کے لگ بھگ منظر عام پر آنے والے اردو افسانہ نگاروں نے تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت اور فسادات کو ماضی کے مقابلے میں اپنے اپنے انداز سے موضوع بنایا۔ ہجرت کے المیے کو جدید افسانہ نگاروں نے ایک ذہنی تجربے کے طور پر خود پر وارد کیا اور بغیر کسی سیاسی مصلحت کے آزادانہ طور پر 1947ء کے فسادات اور ہجرت کے مسائل بیان کرنے کی کوشش کی۔ جدید اردو افسانے نے سقوط ڈھاکہ کے باعث ہونے والی ہجرت کو مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے مشرقی پاکستان کے مغربی پاکستان سے

کٹ کر بنگلہ دیش بن جانے کے بعد بہاریوں کی مغربی پاکستان کی جانب ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو اس ہجرت نے ایک بار پھر 1947 کی یاد تازہ کر دی۔ بہاری مسلمانوں کے ہجرت کے المیے کو بہاری افسانہ نگاروں کے علاوہ بھارت اور پاکستان کے افسانہ نگاروں نے بھی عمدہ اور بے شمار افسانے لکھ کر ان کے دکھ درد بانٹے۔ فلسطینی مسلمانوں پر یہودیوں کے ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ فلسطینی مسلمانوں کا ہمسایہ عرب ممالک ہجرت کا موضوع ایسا موضوع ہے جس پر دلخراش افسانے لکھے گئے۔ روسی جارحیت افغانستان کے مسلمانوں کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ثابت ہوئی۔ جنگ کی تباہ کاری نے افغانی مسلمانوں کو پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جس سے صوبہ سرحد اور بلوچستان کو بہت سے مسائل کا سامنہ کرنا پڑا۔

"تسکین" احمد ندیم قاسمی نے افسانہ تسکین میں دردناک صورت حال کی غمازی کی ہے جو آگ اور خون کی ہولی سے کھیل کر آنے والوں کے لیے اپنوں نے پیدا کی تھی۔ یہ ہجرت کا دکھ اور عذاب سہنے والے ان پناہ گزینوں کی کرب ناک داستان ہے۔ جو مہاجر کیمپوں میں ملتی ہے۔ مہاجرین سرکاری کارندوں کی جھوٹی تسلیوں سے اپنے دکھ درد بھول گئے۔ اس لیے کہ آزاد ملک میں ان کی بحالی کے لیے انہیں وہ تمام سہولتیں میسر ہوں گی جو ہندوستان میں میسر تھیں۔ مگر ایسا نہ ہوا ان کاغذی کارروائیوں سے ان کے دکھ درد کا مداوا نہ ہوا۔ شیخ غیاث الدین مہاجر کیمپوں میں اس صورت کا اظہار کرتے ہیں:

> "تسکین میں مہاجر کیمپوں میں سرکاری کارندوں کی وہ جھوٹی تسلیاں دکھائی گئی ہیں جو مصیبت زدہ لوگوں کو جھوٹے بہلاوے کی صورت میں دی جاتی ہیں۔"(1)

متکلم نے جب ایک پناہ گزین سے اس کے عزیز و اقارب کے متعلق پوچھا تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ ان کیمپوں میں مہاجرین کی حالت نہ گفتہ بہ تھی۔ ہر ایک اپنی قسمت کا رونا رو رہا تھا۔ مصیبت زدہ ان لوگوں کے لیے جھوٹے بہلاوے ناکافی تھے۔ ان کے پیٹ بھوکے تھے۔ بیماروں کے لیے علاج کی ضرورت تھی۔ مگر یہ سب ان کے مقدر میں نہ تھا۔ آخر اس کاغذی کارروائی کی حتمی رپورٹ تیار کی گئی جس نے مہاجرین کے زخموں کو اور بھی گہرا کر دیا۔

راؤ صاحب کا یہ کہنا کہ "یہاں کوئی عورت حاملہ نہیں"۔ محض فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں بلکہ انسانی بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کیمپوں میں سیکڑوں حاملہ عورتیں بھی تھیں جن کے نوزائیدہ بچے آزادی کے سورج کی روشن کرنیں نہ دیکھ سکے۔ پھر ایک چودھری صاحب اپنی کارگزاری پیش کرتے ہیں "یہاں کوئی بچہ بیمار نہیں"۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والوں کے پیٹ بھرے ہوئے ہوں اور وہ مسائل سے دوچار نہ ہوں۔ یہ جھوٹ کے پلندے محض "چور کی داڑھی میں تنکا" ثابت ہوئے یہ کئی دنوں کی بھوک، پیاس اور بیماری کی تاب نہ لا سکے۔ اور اسی حالت میں موت کی زد میں آ گئے۔ پھر ایک ریاکار مولوی صاحب بھی ہیں جو سرکاری تائید میں کہتے ہیں:

> "یوں نہ کیا جاتا تو یہ آپ کو ہر روز تنگ کرتے رہتے۔ یہ سب کچھ بیچاروں کی تسلی ہی کے لیے ہو رہا ہے۔ ورنہ آپ جانتے ہیں ان حالات میں کون جا سکتا ہے وہاں؟ "(2)

یہ سب ڈھونگ تھا جو مہاجرین کے ساتھ رچایا گیا جس کو احمد ندیم قاسمی نے نہایت عمدگی سے مصنوعی کرداروں کے توسط سے پیش کیا ہے۔ مہاجرین کی خستہ حالی، بنیادی سہولتوں سے محرومی وہ مسائل تھے جو نہ صرف تقسیم کے بعد درپیش تھے بلکہ آج تک ان کا سدباب نہیں ہوا۔ اس مصنوعی طنز میں ندیم نے بہت سے حقائق کا انکشاف کیا ہے جن کا تعلق ہجرت کے مسائل سے ہے افسانہ اپنے موضوع کے اعتبار سے گہری معنویت رکھتا ہے کیوں کہ تاریخی حقائق اور شواہد نظر آتے ہیں۔ مصنوعی پن کے باوجود یہ افسانہ بھرپور تاثر رکھتا ہے مکالمے جان دار ہیں جو کرداروں کی کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں۔

"جب بادل امڈے" میں بھی ہجرت کا دردناک المیہ ہے۔ اس کا شمار ندیم کے شاہکار افسانوں میں ہوتا ہے۔ افسانے کے موضوع سے ہی ایسی افسردگی اور یاسیت نظر آتی ہے جو مہاجرین کے گلے کا طوق بنی۔ ان مہاجرین کو گلی، کوچے اور تہوار بھول جاتے ہیں۔ جس گاؤں، بستی میں مہاجر کو زمین کی پرچی ملی ہے وہاں کے لوگ پہلے ہی جاگیر دار کے ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ ڈاکٹر افشاں ملک اس افسانے کے متعلق رائے کا اظہار کرتی ہیں:

> "تقسیم ہند کے بعد ہونے والے مسائل مہاجروں کی پریشانیاں، ذیلداروں اور جاگیر داروں کے ظالمانہ رویوں اور کمزور اور باوسائل طبقوں کے بیچ کی تکرار کو بڑی دیانتداری اور فنی چابکدستی سے پیش کیا ہے۔ نیز کرداروں کی نفسیاتی کیفیات کی بھرپور عکاسی بھی کی ہے۔"(3)

پھر ایک رات جب بادل امڈے اس نے فطرت سے رو رو کر تلافی طلب کی۔ جاگیر دار کے کارندوں نے اس کی خوب پٹائی کی۔ جب مہاجر نے جاگیر دار کو صاحب کہہ کر پکارا تو جاگیر دار غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے مہاجر نے اسے گالی دی ہو وہ مہاجر پر برس پڑا:

> "صاحب کی ماں کا۔۔۔۔ صاحب جا چکا جہاں سے آیا تھا۔ یہ صاحب واب یہاں نہیں چلے گا۔ اب ہم پاکستان میں ہیں۔ اپنا ملک اپنا راج اپنا سکہ یہاں اب صاحب کی جگہ ملک اور چودھری اور میاں کا حکم چلتا ہے۔"(4)

جاگیر دار کی حاکمیت کا بھوت سر سے نہ اترا۔ جاگیر دار کے اس تلخ رویے کا مہاجر پر اثر نہ ہوا جب مہاجر نے تکرار کرتے ہوئے کہا کہ سرکار کا حکم ہے ماننا پڑے گا تو جاگیر دار کا غصہ اور بڑھ گیا۔ اس نے پاؤں زمین پر زور سے پٹخ کر کہا:

> "اپنی سرکار!۔۔۔ اپنی سرکار!۔ اپنی سرکار اٹھائے پھرتا ہے! سرکار تمہاری ہے تو ہماری بھی تو ہے۔ جاؤ نہیں ملے گی یہ زمین۔"(5)

اس افسانے کا انجام دردناک ہے۔ جاگیر دار مہاجر کو زمین کا ٹکڑا تک نہیں دیتا۔ اس کے کارندے مہاجر کو مار مار کر ادھ مویا کر دیتے ہیں۔ وہ بے چارہ زخمی حالت میں کھیتوں میں کراہتا رہتا ہے۔ یہ وہ استحصالی صورت حال تھی جو المیے سے کم نہ تھی۔ وطن سے

محبت اور وفاداری کا جو ڈھونگ ان ظالم جاگیر داروں نے رچایا تھا۔ اس کے پس پردہ تعصب، تنگ نظری اور وہ حقارت تھی جو ندیم نے اس افسانے میں نہایت دیانتداری اور ہنر مندی سے بیان کی ہے۔

"بری سرکار کے نام" احمد ندیم قاسمی کے اس افسانے میں ہجرت کے بعد وہ افسردگی اور یاست نہیں جو "جب بادل امڈے" میں دکھائی دیتی ہے۔ اس افسانے میں ایک گاؤں کی بیوہ مہاجر پاکستان کی بڑی سرکار کے نام خط لکھوانے آتی ہے۔ اس کی باتوں میں تلخی ہے جن سے اس کی مظلومیت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اپنے دکھوں اور ان محرومیوں کی چٹھی لکھوانا چاہتی ہے۔ جو تقسیم کے بعد مہاجر بیوہ عورتوں کی تھیں۔ کہانی کا متکلم نجیب ہے۔ مہاجر عورت متکلم سے التجا کرتی ہے کہ چٹھی میں لکھ دیجئے:

> "۔۔۔ میں نے نمبر دار سے فریاد کی پر وہ ہرنوں کے شکار پر جارہے تھے۔ پوری بات نہ سن سکے۔ پھر میں نے بڑے افسروں کی منت کرنا چاہی۔ پر میں تو ان کے دروازوں پر دستک بھی نہ دے سکی۔ بھیک مانگنے کا یارانہ نہیں۔ میری سات پشتیں اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتی رہی ہیں۔"(6)

نمبر دار کی بے حسی، سرکاری افسروں تک نارسائی مہاجرین کے لیے دکھ کا باعث بنی۔ بیوہ عورت کی خودداری اس اقتباس سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ آزادی سے اپنا حصہ مانگنا چاہتی ہے۔ مگر بھیک نہیں مانگتی۔ وہ آزادی جس کے لیے ان مہاجرین نے مال واسباب اور جانیں نچھاور کیں۔ مگر یہ آزادی جاگیر داروں، زمین داروں، سرمایہ داروں کے لیے تھی۔ یہ محض بیوہ عورت کی داستان نہیں بلکہ تقسیم کے بعد ہجرت کر کے آنے والی ہزاروں بیواؤں کی داستان ہے جو پاکستان کی بڑی سرکار سے آزادی کا حق جتلاتی رہیں۔ لیکن سرکار تک نارسائی کا ایسا دکھ ہوا جس کو وہ کبھی فراموش نہ کر سکیں۔ ایک تلخ حقیقت کا انکشاف اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے:

> "اگر حضور نے میرے خط کو جواب نہ دیا تو میں اس ننگے کو گھسیٹتی ہوئی پیدل کراچی پہنچوں گی اور کہیں نہ کہیں آپ کی موٹر روک کر پوچھوں گی۔ میں پوچھوں گی۔ حضور آپ کو جو آزادی ملی تھی اس میں میرا حصہ بھی تولایئے۔"(7)

نجیب نے چٹھی لکھنے سے انکار کر دیا۔ وہ آگے بڑھی چٹھی اٹھا کر اس کے پرزے پرزے کر دیے اسے اس آزادی سے کچھ نہ ملا وہ اپنے دکھوں کو سینے میں لیے وہاں سے رخصت ہو گئی۔ ان میں کئی بیوہ عورتیں بھی تھیں جو اس ملک میں سرکار سے اپنا حق جتلاتی رہیں۔ ان مسائل کے حل کے لیے کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی۔ جس سے انہیں مایوسی ہوئی۔ مہاجر بیوہ کی سرکار تک رسائی نہ ہو سکی۔ آزاد وطن میں بھی غلامی کے طوق سے نہ بچ سکے۔ بڑی سرکار کی مہاجر بیوہ کی ایک معمولی سی خواہش بھی پوری نہ ہو سکی۔ آخر مایوس ہو کر بیوہ نے چٹھی پھاڑ دی۔

افسانے کا اختتام مایوس کن ہے۔ ندیم نے اس کردار کو ان عورتوں کا نمائندہ کردار بنا کر پیش کیا ہے۔ جن کے شوہر، بچے فسادات میں مارے گئے۔ وہ اس ارادے سے آزاد وطن میں آئیں کہ جو سہولتیں انہیں ہندوستان میں میسر تھیں وہ آزاد وطن میں بھی

میسر ہوں گی۔ مگر افسوس ان کی یہ امیدیں بر نہ آئیں۔ نجیب کے کردار سے بے حسی اور بے تعلقی ظاہر ہوتی ہے۔ جو غیر ضروری دکھائی دیتی ہے۔

"آتش گل" فسادات اور ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے خانگی مسائل کی یہ کہانی بیوہ عورتوں کے دکھ درد کی غمازی کرتی ہے۔ جو آزادی کے باوجود بھی ان مسائل سے دوچار رہیں۔ پروفیسر فتح محمد ملک نے اس کہانی کے متعلق ان مسائل کا ذکر کیا ہے۔ جو شوہر کے مرنے کے بعد بیواؤں کو پیش آتے ہیں:

> "اخلاقی بحران کا دوسرا رخ جنگ میں کام آنے والوں کے پس ماندگان میں پنشن کے تنازعات سے جنم لینے والی کشمکش اور تصادم ہے۔ رمضو کی پنشن کے حصول کی اس کے خاندان میں انسانی رشتوں کا تقدس پامال کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کا بوڑھا والد ہوس زر میں مبتلا ہو کر جوان بہو پر رکیک الزامات عائد کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتا اور اپنے یتیم پوتوں کو پنشن کی رقم سے محروم رکھنے کے لیے شرافت و شائستگی کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔"(8)

اس افسانے میں بھی ایک بیوہ گلابو متکلم سے خط لکھوانے آتی ہے مگر یہاں بڑی سرکار کے نام دکھوں اور محرومیوں کی چٹھی نہیں لکھواتی۔ بیوہ گلابو کا مسئلہ سنگین نوعیت کا ہے۔ جس کا میاں (رمضو) برما کے محاذ میں مارا جاتا ہے۔ وہ پنشن کا حق جتلانے کے لیے متکلم سے چٹھی لکھوانے آتی ہے:

> "انگریزی میں اتنا لکھ دیجئے کہ حضور! یہ میں مانتی ہوں کہ رمضان کی پنشن پر اس کے باپ کا حق ہے اس لیے کہ وہ بوڑھا ہے پر اس کی بیوی کا بھی تو حق ہے۔ اس لیے کہ وہ جوان ہے اور اس کے تین بچے ہیں اور غلہ مہنگا ہے اور کپڑا ملتا ہی نہیں اور جب عورت کے پاس نہ شوہر باقی رہے، نہ روپیہ تو۔۔۔ تو بڑی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔"(9)

اس اقتباس میں بیوہ گلابو ایک اہم مسئلے روٹی، کپڑا اور روپیہ پیسہ کی طرف توجہ مبذول کراتی ہے جو محض گلابو کا مسئلہ نہیں سماج کی ایسی ہزاروں بیواؤں کا مسئلہ ہے جو شوہر کے مرنے کے بعد ان مسائل سے دوچار ہوتی ہیں۔ اور مجبور ہو کر اپنی عصمتیں بیچ ڈالتی ہیں۔ ندیم نے اس افسانے میں روٹی، کپڑا اور مکان جیسے بنیادی مسائل سے پیدا ہونے والی سماجی برائیوں کا انکشاف کیا ہے۔ جن کا زیادہ تر غریب متوسط طبقے کے لوگ شکار ہوتے ہیں۔

گلابو کا سسر بھی پیچھے نہیں رہتا وہ گلابو کو ذلیل اور رسوا کرنے اور پنشن کے حق سے محروم رکھنے کے لیے چالیں چلتا ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹی قسمیں کھاتا ہے اور متکلم کو اپنی خدمت گزاری یاد دلاتا ہے تاکہ وہ خط لکھنے سے انکار کر دے اور رمضو کی پنشن پر صرف اسی کا حق ہو۔ وہ متکلم سے کہتا ہے:

> "اب بیٹا! تم میرے رمضو کی پنشن اس حرامزادی کے نام لگوانا چاہتے ہو جس نے تین بچے جنے ہیں تو دس نکلوائے ہیں۔ جس نے مسجد کا تیل چرا کر اپنے یاروں کے لیے پکوڑے تلے ہیں اور جس روز میرے

رمضو کی موت کا تار آیا ہے تو اسی روز اس نے کاجل لگایا ہے۔ نہیں بیٹا تم اس کے لیے چٹھیاں نہ لکھا کرو،
یہ پندرہ روپے رمضو کے ماں باپ کے لیے رہنے دو، رمضو کی گھر والی تو خود بڑی کماؤ ہے۔"(10)

رمضو کا باپ گلابو کو پنشن کے حق سے محروم رکھنے کے لیے اتنا گر جاتا ہے کہ گلابو پر بد چلنی کا الزام لگاتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ گلابو اس گھر کی عزت ہے۔ رمضو کی گھر والی تو خود بڑی کماؤ ہے۔ اس ایک فقرے میں رمضو کے باپ کا گھٹیا پن ظاہر ہوتا ہے۔ اگر وہ گلابو کو اپنی بہو بیٹی سمجھتا تو اتنی نوبت نہ آتی۔ آخر میں خط میں ان المیوں کو پیش کیا گیا ہے جو بیوہ گلابو کی مجبوری اور بے بسی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان سے نجات کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کی عزت نفس مجروح ہو:

"ملک پنجاب میں لوگ بھوک سے کم ہی مرتے ہیں۔ اور میں مر جاؤں گی، پر میں اپنے بچوں کو بھوکوں
نہیں مرنے دوں گی۔۔۔۔، جی چاہتا ہے ایک موٹی سی گالی بھی لکھوا دوں۔"(11)

ندیم نے اس افسانے میں ایک المیے کو بیان کیا ہے۔ جو محض بیوہ عورتوں کا ہے کہ کس طرح ان کے حقوق کی پامالی ہوئی جو مجبور ہو کر عصمت فروشی کے لیے تیار ہو گئیں۔ افسانے کا متکلم "جب بادل امڈے" کے متکلم کی طرح بے حس اور لاتعلق نہیں۔ وہ حساس ہے ندیم نے اس کی حساسیت سے ہمدردی ظاہر کی ہے۔ جس سے افسانہ نگار کے نقطہ نگاہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔ بیوہ گلابو کی پنشن کے حق سے محرومی، بوڑھے سسر کی الزام تراشی سب مل کر افسانے کی فضا کو پُر درد بنا دیتے ہیں۔

"اندمال" میں 1947ء کی ہجرت کا معنوی تسلسل دکھائی دیتا ہے ان مہاجرین کی کہانی جو اس دردناک سفر میں آگ اور خون کا دریا عبور کر کے مال و اسباب لٹوا کر "جائے امان" پاکستان آئے۔ ڈاکٹر انوار احمد افسانے کی کربناکی پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں:

"اندمال بھی اس دردناک تاریخی صداقتوں کی گواہی ہے کہ ہجرت سے آباد ہونے والے پاکستان میں یہ
پر صعوبت سفر (ہجرت کا) اور "جائے امان" میں پہنچ کر ان کا لٹنا اور اس اثاثے سے بھی محروم ہو جانا جو
بلوائیوں کی لوٹ مار سے بچ گیا تھا۔"(12)

اس اقتباس میں تاریخی صداقت کا بیان ہے جو ہجرت کا دردناک سفر طے کر کے آنے والوں کے مصائب و آلام کی گواہی بھی ہے۔ اس الم ناک سانحے میں بچے یتیم ہوئے عورتیں بیوہ ہوئیں، بھائی بہنوں سے ایسے بچھڑے کہ پھر نہ مل سکے۔ یہ وہ کرب تھا جس سے ذہن مفلوج ہو گئے۔ اس کیفیت کو ندیم نے اس افسانے میں پیش کیا ہے۔ نزہت کو اشرف کی تصویر نہیں بھولتی۔ جو چوری کے سانحے میں مال و اسباب کے ساتھ چوری ہو جاتی ہے۔ نزہت کے لیے یہ وہ اثاثہ تھا جس کا دکھ ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ کیوں کہ یہ تصویر نزہت کے پرس میں نہیں دل میں تھی۔ یہ تصویر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان گہرے رشتے کو ظاہر کرتی ہے۔ جب یہ تصویر چوری ہو جاتی ہے تو نزہت کا المیہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ وہ باپ سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

"سب زخم ابا جان، سب کے سب زخم مندمل ہو گئے آپ کے؟ کوئی ایک بھی نہیں بچا؟ اس نے پرس
کھولا، اشرف کی تصویر نکالی اور جلال الدین کو دکھاتے ہوئے بولی، یہ زخم بھی ابا جان؟"(13)

فسادات اور ہجرت میں اپنوں سے بچھڑنے کا دکھ ہجرت کر کے آنے والوں کو نہ بھول سکا۔ لاکھوں مہاجرین اس قتل و غارت میں جاں بحق ہونے والوں کی لاشیں چھوڑ آئے۔ مگر ان کی یادوں کو نہ بھول سکے۔ نزہت اور اس کے والدین کو ان فسادات میں مارے جانے والے اشرف کی جدائی کا غم نہ بھول سکا مگر آزادی کی خوشی نے ان کے حوصلے بلند کر دیئے۔ نزہت اباجان کو اشرف کی موت کی خبر دیتی ہے؛

"آپ کو پتہ نہیں ابا جی، ہم ابھی تک ڈھاکہ میں ہیں۔ اور اشرف سچ مچ مر گیا ہے اور مارنے والے اس کی لاش اٹھا کر لے گئے۔"(14)

اس کیفیت کو پیش کر کے ندیم نے ان حالات و واقعات کی عکاسی کی ہے جو ہجرت کر کے آنے والوں کو پیش آئے۔ فسادات کا موضوع ہو یا ہجرت کا دردناک سانحہ ندیم نے ایک فنکار کی طرح ان موضوعات پر کھل کر لکھا ہے اور تاریخی و سیاسی شعور کا بھرپور ثبوت دیا ہے۔ ندیم کی کہانیوں کے کردار مصنوعی مبالغہ آمیزی سے مبرا نہیں۔ اس کے باوجود یہ کہانیاں اپنے اندر گہری معنویت رکھتی ہیں۔ اور تقسیم کے وقت درپیش حالات و واقعات کی بھرپور عکاس ہیں۔

مندرجہ بالا تمام بحث سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ ہجرت کے المناک واقعات کسی المیے سے کم نہ تھے۔ ہجرت کر کے آنے والوں کو آزاد وطن میں نہ تو سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ ملی نہ وہ مراعات ملیں جن کا ان سے وعدہ کیا گیا۔ سرکاری کارندے محض کاغذی پلندے بنا بنا کر ان مہاجرین کو جھوٹی تسلیاں دیتے رہے۔ بیوہ عورتوں کی سرکار تک رسائی نہ ہوئی وہ بچاری پنشن کے لیے عدالتوں، کچہریوں کے چکر لگاتی رہیں۔ اس بے سروسامانی اور مایوسی کے عالم میں عورتوں کو اپنی عزتیں نیلام کرنی پڑیں۔ مگر مقامی جاگیرداروں اور سرکاری افسروں کو ان ستم رسیدہ مہاجرین پر رحم نہ آیا۔ وہ زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے لیے ترستے رہے۔ غیروں نے تو لوٹا اپنوں نے بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آزاد وطن میں آزادی کی خوشی میں وہ یہ سب ظلم و ستم بھول گئے۔ مگر تاریخ اس بات کی ہمیشہ گواہ رہے گی۔ اور جو جور و ستم روا رکھا گیا اس کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔

حوالہ جات

1. شیخ غیاث الدین، ہندو مسلم فسادات اور اردو افسانہ (لاہور: نگارشات، 1991ء)، 196۔
2. احمد ندیم قاسمی، درودیوار (لاہور: ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس، س ن)، 47۔
3. افشاں ملک، ڈاکٹر، افسانہ نگار، احمد ندیم قاسمی، آثار وافکار (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2008ء)، 150۔
4. احمد ندیم قاسمی، درودیوار (لاہور: ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس، س ن)، 54۔
5. ایضاً، 55۔
6. احمد ندیم قاسمی، سناٹا (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء)، 20۔
7. ایضاً، 21، 20۔
8. فتح محمد ملک، پروفیسر، احمد ندیم قاسمی، شاعر اور افسانہ نگار (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1991ء)، 43۔
9. احمد ندیم قاسمی، سناٹا، 73۔
10. ایضاً، 75، 74۔
11. ایضاً، 77−
12. احمد ندیم قاسمی، کپاس کا پھول (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2016ء)، 181۔
13. احمد ندیم قاسمی، نیلا پتھر (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2012)، 52۔
14. ایضاً، 55۔

References in Roman Script

1. Sheikh Gayas Ud din, Hindu muslim fasadaat aur urdu afsana (Lahore: Nigarshaat, 1991), 196.
2. Ahmad Nadeem Qasmi, Dar-o-Dewaar (Lahore: West Punjab Printing Press, San Nadarad), 47.
3. Afshan Malik, Doctor, Afsana Nigaar, Ahmad Nadeem Qasmi, Asaar O Afkaar (Dehli: Educational Publishing House, 2008), 150.
4. Ahmad Nadeem Qasmi, Dar-o-Dewaar, (Lahore: West Punjab Printing Press, N.A), 54.
5. Ibid, 55.

6. Ahmad Nadeem Qasmi, Sanata (Lahore: Sang e Meel Publications, 2018), 20.
7. Ibid, 20, 21.
8. Fateh Muhammad Malik, Prof. Ahmad Nadeem Qasmi, Shair aur Afsana Nigaar (Lahore: Sang e Meel Publications 1991), 43.
9. Ahmad Nadeem Qasmi, Sanata, 73.
10. Ibdi, 74,75.
11. Ibdi, 77.
12. Ahmad Nadeem Qasmi, Kapaas ka Phool (Lahore: Sang e Meel Publications, 2016), 181.
13. Ahmad Nadeem Qasmi, Neela Pathar (Lahore: Sang e Meel Publications, 2012), 52.
14. Ibdi, 55.